کومل ذیشان

# آرش

## کومل ذیشان

نوٹ: آرش، پاک سوسائٹی کے لیے لکھا جانے والا ناول ہے۔

مٹی کے ننھے ذرے پر سرد موسم کے باعث پانی کا قطرہ جم گیا تھا، اس کے جمتے ہی ذرہ بھاری ہوا اور نیچے گرنے لگا پانی کے قطرے اس کے گرد جمع ہوتے چھ اطراف سے اس کو گھیرتے جمتے گئے اور زمین تک پہنچتے پہنچتے اس نے ایک خوبصورت سنو فلیک کی شکل اختیار کر لی چاروں اور سے برف گر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آرش نے سوچا تھا کہ وہ شام تک ننھیا گلی پہنچ جائے گا مگر اب جس طرح اڑتے ہوئے اس کا سانس بار بار پھول رہا تھا اور اسے بار بار کسی بادل پر بیٹھ کر اپنا سانس درست کرنا پڑ رہا تھا اسے واپس وقت پر پہنچنا بے حد مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے چوتھی بار بادل کے ٹکڑے پر ٹانگیں پھیلا کر اپنا سانس درست کیا۔ سورج کے غروب ہونے میں ابھی کافی وقت تھا اگر وہ مسلسل اڑتا رہتا تو یقیناً مقرر وقت پر اپنی منزل پر پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے بوڑھے جسم کو بیدار کرنے کے لیے ایک جاندار انگڑائی لی جس کی بدولت بادل کے سفید ذرات اس کے بکری جیسے کانوں اور سر پہ بارش کی طرح برس پڑے۔ بال بڑھاپے

کے باعث سرخ انگارہ تھے۔ اس نے اوپر سے دھند میں ڈوبی لاہور کی باریک رگوں کی طرح نظر آتی سڑکوں اور

اس پر گزرتی کن مِن کرتی سرخ سبز بتیوں کو دیکھا، مینار پاکستان، بادشاہی مسجد اور سکھوں کا گردوارا ابھی دھند میں سے سر اٹھائے نظر آرہے تھے پھر گہری سانس لیکر دوبارہ ہوا میں تیرنا شروع کیا۔ اگر اس وقت اس کی عمر ڈھائی ہزار سال نہ ہوتی تو یقیناً وہ گھنٹے سے پہلے نتھیا گلی میں ہوتا مگر اب اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی، وہ بمشکل چند قوس اڑ پاتا تھا کہ اس کا سانس پھولنے لگتا۔ وہ نقشہ جس میں وقت کی Dimensions (حدود و ابعاد) کا تفصیل سے ذکر تھا اس نے لاہور میں مینار پاکستان کی سب سے اوپری منزل میں ایک کونے میں چھپا رکھا تھا۔ وہ وہی لینے آیا تھا مگر اب اسے وقت پر واپس پہنچنا مشکل لگ رہا تھا۔ اسے کسی کو زندگی سے ملوانا تھا اور جلد ملوانا تھا۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے تک اس نقشے کی اسے چنداں پرواہ نہ تھی جو اس کو وراثت میں ملا تھا، نہ ہی اس نے کبھی وقت کی الٹی، سیدھی سمتوں میں سفر کرنے کے بارے میں کبھی سوچا تھا مگر اس دن اس کی اکلوتی گہری دوست، ہمدرد و رازدان جو زندگی کے اس کنارے پر کھڑی تھی جہاں سے ذرا سا قدم اس طرف ہوا تو وہ اس کو ہمیشہ کے لیے کھو سکتا تھا اس نے کہا تھا۔

"آرش مجھے جاننا ہے زندگی کیا ہے مجھے اسے دیکھنا ہے۔" اس نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر ایک تکون بنی تھی ایک کونے پر آئینہ عالم لکھا تھا، دوسرے کونے پر برقِ زندگی اور تیسرے کونے پر ذریعہ زندگی۔ وہ اس کی تکلیف سمجھ سکتا تھا، سوال کے

پیچھے چھپی اذیت کو بھی۔اگر چہ اس کی بھویں لٹک کر اس کی آنکھوں کے آگے آگئی تھیں ،وہ رات کو ٹھیک سے سو نہیں پاتا تھا، اس کے سارے دانت جھڑ چکے تھے، بولتے بولتے ہانپنے لگتا اس روز تو وہ کوئلے بھی ٹھیک سے چبا نہیں پا رہا تھا ہڈیاں کھانا تو اس نے کب سے چھوڑ رکھا تھا۔ سب جن دوست اس کی ہر چیز میں عدم دلچسپی کی وجہ سے اسے چھوڑ چکے تھے۔وہ سارا دن دھوپ سینکتا بیتی باتیں یاد کرتا۔ کہیں اس کو احساس تھا صرف اس کی دوست ہی نہیں وہ خود بھی زندگی کے کنارے پر آ چکا ہے جہاں سے ایک قدم دوسری طرف اٹھا تو ڈائمینشن بدل جائے گی، سفر بدل جائے گا۔بس فرق یہ تھا کہ اس کی عمر ڈھائی ہزار سال تھی اور دوست کی عمر اکیس سال۔ اتنی کم عمری میں اس کی سوچ کی پرواز پر اسے اکثر حیرت ہوتی تھی۔اس کا کمرہ کتابوں سے اٹا ہوا تھا وہ بہت کم کسی سے ملتی تھی شاید اس کی وجہ اس کا بیمار ہونا تھا یا کم عمری میں طلاق یافتہ ہونا۔ وہ ڈاکٹر نیرہ کے گھر کے باہر لگے اس شاہ بلوط کے درخت پر پچھلی پانچ دہائیوں سے رہائش پزیر تھا اس کے سامنے ایک ننھی بچی کی اس گھر میں ولادت ہوئی تھی۔اس نے جب پہلی دفعہ اسے دیکھا تو مہوبت سا ہو گیا وہ بے حد خوبصورت تھی، اس نے اپنے سامنے پلتے، مٹی کھاتے، شرارتیں کرتے، پاؤں پاؤں چلتے دیکھا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ کینسر کا شکار ہوئی تھی ابھی اسکا نکاح ہوئے کچھ عرصہ ہوا تھا۔بیماری کے علاج کے دوران ہی اسے طلاق ہوئی تھی شاید وہ اس چھوڑ جانے والے کی محبت میں مبتلا تھی کہ اس کے بعد وہ اسے کبھی مسکراتی نظر نہیں آئی تھی۔ حیرت انگیز طور پر اس بیماری کے بعد اسے نظر آنے لگا تھا۔پہلی دفعہ جب اس نے دیکھا تو وہ شاہ بلوط پر محو استراحت تھا اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ خوف کے مارے دھڑام

سے زمین پر گرا تھا اور اس کی خوب منت کی تھی کہ وہ اب اس عمر میں گھر ڈھونڈنے کے لیے در در دھکے نہیں کھا سکتا۔ پھر یہ خوف آہستہ آہستہ کم ہونے لگا، وہ اسے نظر آتا بھی تو وہ نظر انداز کر کے گزر جاتی۔ خوف آہستہ آہستہ کم ہوتے استعجاب میں بدلا پھر انسیت میں پھر دوستی میں۔ وہ بھی تو اسی کی طرح تنہا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سارا نے کھڑکی کے پاس کھڑے اداسی سے باہر نظر آتے خالی شاہ بلوط کے درخت کو دیکھا۔ برف اس کو سفید کر چکی تھی۔ آرش کے بغیر یہ درخت کتنا سونا لگتا ہے اس نے کھڑکی کے پاس سے ہٹتے ہوئے سوچا۔ پھر سٹڈی ٹیبل پر پھیلے کاغذوں کو سمیٹنا شروع کیا شاید وہ آج بھی نہیں پہنچ پائے گا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ باہر دھماکہ ہوا تھا وہ آ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ان اندھیرے راستوں میں
منزل کا پتا کھوجتی ہوں
تو سوچتی ہوں
وہ جو میراث ہے بنی آدم کی
جس میں میرا بھی حصہ ہے
فقط روشنی کا ایک ذرہ ہے
اس پر میرا نام لکھا ہے
کب میری مٹھی میں آئے گا

اس نے سفید براق عمارت کے قریب ہوتے اس پر بنے پیٹرنز پر غور کیا۔وہ سفید سرمئی ستارے تھے مگر اسے رنگین کیوں نظر آ رہے تھے۔وہ اکثر بے رنگ چیزوں میں رنگ دیکھتی تھی اس کی آنکھیں عجیب تھیں۔ ان بے رنگ ستاروں میں رنگ ایسے ابھر رہے تھے جیسے بے رنگ کثیف مائع میں ایک قطرہ سرخ پھر زرد پھر ہرا پھر نیلا پھر جامنی پھر بنفشی کوئی ٹپکاتا جائے۔ جیسے ایک سفید ذرے میں دھماکے سے کائنات وجود میں آ جائے یا کسی پھونک سے ایک درخت۔ جس کی پہلی ڈالی پر پتے دونوں اطراف میں مگر اس طرح کہ ایک طرف پتا ہے تو اس کی سامنے کی جگہ خالی، پھر ڈالی دو شاخوں میں بٹ جائے پھر اسی پیٹرن پر پتے، پھر ڈالی دو شاخوں میں بٹ جائے اور یوں ایک درخت کی کائنات وجود میں آ جائے یا پھر سمندر کے سانس سے اس کی سطح پر جھاگ کے جال وجود میں آئیں۔۔۔ایک ہی پیٹرن پر۔اس کی آنکھوں کی طرح محسوس کرنے کی حس بھی کچھ عجیب تھی اس نے آسمان سے گرتے سنو فلیکس، پتھروں، درختوں میں زندگی کی لہر دیکھی تھی، ان کو اکثر بولتے، گنگناتے سنا تھا۔وہاں چھوٹے گہرے سرمئی مستطیل ڈبے تھے جن سے جھانکتے اپسراؤں کے دلکش چہروں نے اسے مبہوت کیا تھا ان دونوں نے وہاں حاضری کی مہر لگوائی۔ آرش اسے اس کے سوالوں کے جواب دینے وقت کی الٹی

سیدھی آڑھی سمتوں میں لے آیا تھا کہ یہ ضروری تھا اور وہ اس کی دوست تھی۔اس لیے کہ وہ اس کی دوست تھی اسکی بہترین دوست۔

وہ ابھی اس جگہ سے تھوڑا آگے ہی بڑھے تھے وہاں ساری فضا باجے کی دلکش آواز سے دہک رہی تھی۔اس نے آنکھیں بند کر کے اس موسیقی کو ذہن کے پردوں پر

محسوس کیا۔ آواز کے دلکش خدوخال بننے لگے۔

♪♫♬♩♫♩♭♮

جیسے تالاب کے پر سکون پانی میں سارے گاما پادانی سا کے سر ارتعاش پیدا کر دیں۔ اس نے آج تک کسی کو اتنی خوبصورتی سے باجا بجاتے نہیں سنا تھا۔ سر پر ہیٹ جمائے، سیاہ چشمہ لگائے سرخ اور سنہرا باجا وہ عالم جذب میں تھا۔ وہ کتنی دیر محو رہی اسے معلوم نہیں ہو سکا۔

اس نے خواب سے باہر قدم رکھا تھا۔۔۔

اس کے سامنے نکشتر یعنی تاروں کے جھرمٹ تھے جو الگ الگ شکلوں میں چمکتے اور معدوم ہو جاتے تھے یہ سب ایک سنہرے آسمان پر ہو رہا تھا۔ کارل ساگن کے مطابق انسان جس دور میں ہو اس کے پاس جو موجود ہو وہ ان کی ہی شکلیں آسمان میں ستاروں اور بادلوں میں دیکھتا ہے ۔ پرانے وقتوں میں تاروں کے جھرمٹ ڈریگن کی شکل اختیار کر لیتے تھے، بھالو اور شیر کی تو آج ٹیلیفون کی بھی کر سکتے ہیں۔

آرش نکشتر کے نام بولتا جوزا، سنبلہ اور اس کے ستارے جگمگ کرنے لگتے۔

پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھارہوں صدی کے نکولس کاپر نیکس کے پاس لے آیا۔ وہ نظام شمسی کا ایک نیا ماڈل بنا رہا تھا، سورج مرکز میں اور سیارے اس کے گرد حرکت کر رہے تھے۔

”دیکھو انسان کس معراج پر پہنچ سکتا ہے بس عشق تجسس اور طلب حسن ہونا چاہیے۔“ نظام شمسی کا یہ نمونہ ایک انقلابی نظام شمسی کی ایک انقلابی وضاحت تھی۔

پھر اس نے سولہویں صدی کے گلیلیو کو ٹیلیسکوپ تیار کرتے دیکھا۔ گلیلیو نے ٹیلیسکوپ ایجاد نہیں کی تھی بلکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے آسمان میں موجود ان چمکتے اجسام کا منطقی طریقے سے مشاہدہ کیا اور اپنی دریافتیں لکھیں۔ اس کی کتاب ستاروں کا پیامبر ۱۶۱۰ میں شائع ہوئی اور اس کی شہرت کا باعث بنی۔

سنہرے نقش والی بھوری گلیلیو کی ٹیلیسکوپ اس نے دھیرے سے اسے چھوا، اس میں دو لینس استعمال کیے گئے تھے جو ستاروں سے آنے والی روشنی کو ایک جگہ مرتکز کر کے اس کا عکس بناتے تھے۔ وہ محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی جو میز پر جھکا چاند کا خاکہ بنانے میں مصروف تھا۔ جب اس نے مشتری کے گرد چار چاند دیکھے تھے تو اس نے اس خیال کو چیلنج کیا کہ سیارے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ وہ تو ابھی گلیلو کے ساتھ چائے پینا چاہتی تھی کہ منظر دھندلا آگیا اور وہ پھر سے سیاہ خلا میں معلق ہو گئی وہاں عکس بننے مٹنے لگے۔۔۔

قدیم اسطرلاب جس سے ستاروں کی اونچائی اور مقام معلوم کیا جاتا تھا، پانی سے چلنے والا گھڑیال۔۔۔ لوح زہرہ سترہ سال قبل مسیح بادشاہ امی صادوقا کے دور میں زہرہ کی فلکی مشاہدوں کو ریکارڈ کر کے اس پر لکھا گیا۔۔۔ آرمیلری اوریری فرینڈ سیکسٹان کا ماڈل جس میں نظام شمسی کا مرکز سورج تھا جب کہ اس کے باہری دائرے ایسے تھے کہ زمین کے گرد گھومتے تھے، ریفریکٹنگ ٹیلیسکوپ اور ریڈیو ٹیلیسکوپ۔ ریڈیو ٹیلیسکوپ غیر مرئی لہروں کو ڈیٹیکٹ کرتی جسے ڈش کے ذریعے ماہر فلکیات مشاہدہ کرتے تھے۔ ۱۶۶۰ کی مطبوعہ کتاب ہارمونیا میکرو کوسمیکا کے زرد صفحے اس کے سامنے ابھرے جس میں

اینڈرس سیلاریس نے بطلیموس کے ماڈل کی وضاحت کی تھی۔ جس میں زمین مرکز میں تھی۔ پھر مشتری اور چاند، چاند کی سطح۔ وہ دھیرے دھیرے ہلکی ہو کر چاند کی سطح پر چلنے لگی۔ نم آنکھوں سے اس نے دیکھا اپنا نیلا دیس۔

پھر اچانک سے اس کی آنکھوں میں رنگ بھرنے لگے وہ تیزی سے سفر میں تھی۔

عقابی نیبولا، جامنی اینڈرومیڈا، زرد گلابی اور یون این جی سی ۲۱۷۴، سبز رنگ عنکبوت نیبولا، سومبیرو کہکشاں، سرطان نیبولا، ویسٹر لینڈ ۲ ورلپول کہکشاں، ببل نیبولا، ہارس ہیڈ یعنی گھوڑے کے سر کی شکل والا نیبولا، فلیم یعنی شعلہ نما نیبولا، پلرز آف کریئیشن یعنی تخلیقی ستون (جن میں ستاروں کی تخلیق کا عمل جاری تھا) وہ وہاں ٹھہر گئی تھی۔۔۔ وہ وہیں رہ جانا چاہتی تھی۔۔۔ پھر اس کا بے وزن وجود این جی سی ۱۳۰۰، کے اوپر سے گزرا پھر ٹائکو سوپر نوا کے اوپر سے۔۔۔

اور پھر زن سے سارا فاصلہ سمٹا تھا اور وہ سورج کے سامنے تھی جس کی روشنیاں اس کے اندر داخل ہوتی چلی گئیں۔

وہاں اک راستہ ہے
جو سورج تک جاتا ہے
میں اکثر اس راستے پر چلی ہوں
میں اکثر سورج سے ملی ہوں
میں اس سے بچھڑا زمین کی طرح ایک ٹکڑا ہوں
میں سورج ہوں

اسے اپنا اندر سورج کی ابدی ضیا سے بدلتا محسوس ہوا۔۔۔اس کائنات میں دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے کون کہاں کس سے بچھڑا کوئی نہیں جان سکتا شاید اس کا جواب بھی کسی دن کسی مینڈلیو کو خواب میں بتا دیا جائے گا۔

وہ وہیں سورج کے قریب ایک چھوٹے سے تیرتے پتھر پر جا بیٹھے جہاں آرش اس کے ذہن میں ابھرتے بہت سے سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار تھا۔وہ مختصراً اسے زمین کی تاریخ سے آگاہ کرنے لگا۔"زمین اتنی پرانی ہے کہ مکمل طور پر ہم اس کے نقطہ آغاز تک نہیں پہنچ سکتے۔۱۳.۸۲ ارب سال پہلے بگ بینگ ہوا۔۔۔ایک بڑا دھماکہ

۱۳.۶ ارب سال پہلے آکاش گنگا وجود میں آئی

۱۲.۷ ارب سال پہلے ایکسو پلینٹ وجود میں آیا۔

دس ارب سال پہلے ستاروں کے بننے کا عمل معراج پر تھا۔

۴.۶ ارب سال پہلے سورج پھر ۴.۵۴ ارب سال پہلے زمین پھر ۴.۵۳ ارب سال پہلے چاند۔

۴.۴ ارب سال پہلے سب سے پرانا پتھر زمین پر پایا گیا۔

۴.۱ ارب سال پہلے شہابِ ثاقب کی زمین پر بارش ہوئی۔

۳.۸ ارب سال پہلے زمین پر زندگی نے پنپنا شروع کیا۔

۵۳۰۰ لاکھ سال پہلے زمین پر پہلا ریڑھ دار جانور وجود میں آیا۔

۵۴۰ لاکھ سال پہلے عرب جزیرہ نما وجود میں آنا شروع ہوا۔

دو لاکھ سال پہلے پہلا انسان نے جنم لیا۔

۶۴۰۰۰سال پہلے پہلی دفعہ تیر اور کمان کا استعمال کیا گیا۔

پانچ ہزار سال پہلے اب تک کی ملی سب سے پرانی تحریر لکھی گئی،

۳۵۰۰سال پہلے گزا کا اہرام مصر تعمیر کیا گیا۔بارہ سو سال پہلے مامون نے بغداد کے قریب پہلی رصد گاہ بنائی۔

۹۶۴سال پہلے پہلی عبد الرحمٰن صوفی نے اینڈرومیڈا کا مشاہدہ کیا۔

چار سو سال پہلے گلیلیو نے جوپیٹر کے چاند کا مشاہدہ کیا۶۰ سال پہلے انسان نے خلا میں سفر کیا۔" آرش سانس لینے کو رکا تھا اور اس کے اس طرح ایک ہی سانس میں بتاتے چلے جانے پر وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"کسی بھی سیارے میں زندگی مشکل سے لمبے وقت کے بعد پروان چڑھتی ہے۔"

وہ دنوں اب خلا میں باتیں کرتے چہل قدمی کر رہے تھے۔

"برفانی دور اور شہاب ثاقب نے زمین پر زندگی کو نقصان پہنچایا تھا۔" وہ اسے ایک ۴۲ ارب نوری سال کی دوری پر موجود زمین کی طرح کا ایک سیارہ دکھا رہا تھا۔ "کیا تم جانتی ہو کہ اب تک کا طبیعات کی دنیا میں سب سے بڑا تجربہ کیا ہے زمین پر؟"

"کیا؟" وہ واپس چہل قدمی کرتے مڑے تھے۔

ایک بڑے حجم کا ہیڈرون کولائڈر زمین میں ایک سو میٹر دھنسایا گیا ہے۔۲۷ کلو میٹر قطر کی ٹنل میں۔

"کیا یہ زمین کے لیے خطرہ نہیں۔"

"پتا نہیں ممکن ہے۔۔۔" آرش نے کندھے اچکائے۔

"یہ تمہارے لیے تحفہ۔"اس نے اپنا جھریوں زدہ بڑا سا ہاتھ اس کے سامنے کھولا ،اس میں ایک سرمئی پتھر تھا۔

"یہ کیا ہے؟"سارا نے اسے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہ چاند کا پتھر ہے۔"اسے سارا کی آنکھوں میں ابھرتی خوشی دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔

"سو اب زندگی کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

" یہ ہی کہ

اک سوزِ محبت لازم ہے، اس رمز ابد کے سننے کو

اس حسن الست کے سہنے کو، اک صادق سینہ واجب ہے"

"زمین سے خلا صرف سو کلو میٹر پر شروع ہو جاتی ہے لیکن وہاں پہنچنے کے لیے ذہانت مہارت اور سائنس کی ضرورت ہے۔"

" اور یہ چاند کیسے وجود میں آیا تھا اس نے آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھتے ہوئے پوچھا وہ اس وقت آسمان کا گہنا لگ رہا تھا اور اب تو اس کی ملکیت میں بھی تھا۔

"زمین سے ایک سیارہ ٹکرایا تھا۔۔"آرش نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے یاد کیا اور پھر اس کو جواب دیا۔"چاند کے پتھر کا اگر خوردبین کے نیچے مشاہدہ کیا جائے تو اس کی عمر ۴۵۳. ۴ ارب سال ہے۔یعنی اس سے پہلے زمین کا آسمان بغیر چاند کے تھا۔"زمین پر اماوس کی راتیں ہوا کرتی تھیں۔

"اور جانتی ہو اکوینوکس کیا ہوتا ہے؟"

"کیا؟"

"ایکوینوکس ((Equinoxیعنی وہ زمانہ جب سورج خطِ استوا کو قطع کرتا ہے وسط بہار اور خزاں یعنی مارچ اور ستمبر میں جب زمین کے تمام حصے سورج سے برابر کی دوری پر ہوتے ہیں، زمین پر ہر جگہ ایک جیسی طوالت کا دن ہوتا ہے اسے ایکوینوکس کہتے ہیں اور یہ سال میں دو مرتبہ ہوتا ہے۔"

"وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔"

(اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں سخت آنچ اور لوگوں کے فائدے۔)

آرش نے سورۃ الحدید کی آیت کے کچھ حصے کی تلاوت کی تھی۔

"ان کا پچانوے فیصد حصہ لوہا اور تھوڑے دوسرے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ جب لوہے کو تیزاب میں ڈالا جاتا ہے تو چوخانہ پیٹرن بنتا ہے۔ پیٹرن کی موٹائی بتاتی ہے کہ لوہا کتنا آہستہ مائع سے ٹھوس حالت میں تبدیل ہوتا ہے۔ انٹارکٹا میں لوہے کے بہت سے شہاب ثاقب ملے ہیں اور بہت سے دریافت ہونا باقی ہیں۔ اگر تم کہو گی تو ہم مل کر ایک آدھ ڈھونڈھ لیں گے۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"مارِٹن نامی شہاب ثاقب مریخ سے زمین پر وارد ہوئے ہیں، ان پتھروں میں جو عناصر ملے ہیں وہ زمین پر موجود ہیں۔ ان پتھروں کے مشاہدے سے پتا چلتا ہے کہ مریخ کی زمین کبھی زندگی کے لیے مناسب تھی۔ پتھروں پر ایسے نقوش ملے ہیں جو خوردبینی اجسام کے ذریعے وجود میں آسکتے ہیں۔ پتھر کے شہاب ثاقب (Stoney Metroid) ایسٹریوئڈ بیلٹ سے آئے ہیں۔ کچھ پتھر کونڈرائٹ سے بنے ہیں جو کہ زمین اور دوسرے سیاروں کے

وجود میں آنے سے پہلے وجود میں آیا اور سب سے قدیم عنصر ہے جس کا اب تک مشاہدہ کیا گیا ہے۔ روزیٹا مشن شہاب ثاقب کے بارے میں شروع کیا گیا تھا جبکہ خلا میں موجود غبار جو ستاروں کے پھٹنے، شہاب ثاقب یا دوسرے عوامل سے پیدا ہوتا ہے اس پر تحقیق کا ایک خاص مشن شروع کیا گیا ہے سٹارڈسٹ مشن۔ ایروسول ایک غیر معمولی مادہ ہے جس کے مالیکیولز اس طرح ہوتے ہیں کہ ساخت میں ہوا ہی ہوا ہوتی ہے جس سے خلا کا غبار اس میں پھنس جاتا ہے۔"

پھر وہ اسے اڑاتا مریخ پر لے آیا تھا۔ وہاں مریخ کی سرخ زمین پر کیوریسٹی روور (Curiosity Rover) خراماں خراماں محو سا چلتا تھا۔

"اب میں تمہیں وقت میں لاکھوں سال پیچھے لے جا رہا ہوں زمین پر۔" وہ اسے متنبہ کرتا زمین پر اتار لایا۔

یہ میسوزوئک (Mesozoic) دور تھا جو کہ ۲۶۶۰ لاکھ سال سے ۶۶۰ لاکھ سال تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا زمین پر بھوکے ڈائناسارس، ریڑھدار، رینگتے آسمان پھاڑتے، سمندروں میں تیرتے تھے۔ کچھ سبزی خور معصوم سے دکھتے ڈائناسارس بھی نظر آئے جو ان کے درمیان ہی موجود تھے۔

۴۷۰۰ سے ۳۷۰۰ لاکھ سال کے وقتوں میں پانی میں بغیر جبڑے کے مچھلیاں تیرتی نظر آئیں۔ پروسٹوسکس (Protosuchus) جو کہ آج کے مگرمچھ کے جد میں سے ہے اس کی آنکھیں اطراف میں تھیں وہ زمین پر رینگتا نظر آیا۔ پھر ۳۷۰۰ سے ۳۶۰۰ لاکھ سال کے وقتوں میں ڈنکیوسٹر (Dunkleoster) مضبوط سر اور جبڑے والی مچھلی

تیرتی نظر آئی جو دوسری مچھلیاں کھاتی تھی۔ اور پھر اس نے ریوپس میگافلیس (Eryops Megacephalus) کو دیکھا جو دلدل میں رہتا تھا، آج کے جل تھل میں رہنے والے جانوروں یعنی مینڈکوں کا جدامجد۔ یہ وہ پہلی مخلوق تھی جو زمین پر چلی۔ ڈیڑھ میٹر لمبا اس وقت دنیا کا سب سے بڑا جانور۔

اکینتھوسٹیگا (Acanthostega) سب سے پہلا جل تھلیا کہ ابھی بھی گلپھڑے تھے اور وہ پانی سے باہر متوازن نہیں چل سکتا تھا۔ ۳۷۰۰ لاکھ سال پہلے ٹانگوں والی مچھلی جو پانی سے باہر آئی وہ پہلا جل تھل کا جانور تھی۔ تینوں طرح کے ایمفیبیین اس کے سامنے تھے سیلمینڈر، نیوٹ، مینڈک۔ کچھ مینڈک عجیب طریقے سے انڈوں کو سیتے تھے۔ ڈارون نر مینڈک اپنے منہ میں انڈوں کو رکھ کر سیتا تھا اور پیپا پیپا مادہ مینڈک اپنی کھال کے نیچے سیتی تھی۔ اسے جھرجھری سی آئی۔

"زمین پر دو تہائی زندگی خوردبینی ہے جو آنکھ سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ آرچیا وہ خوردبینی جاندار ہے جو امونیا، دھات یہاں تک کہ ہائڈروجن گیس بھی کھا سکتا ہے، یہ ایک ہی خلیہ ہوتا ہے۔ بیکٹیریا اور آرچیا ۳۵۰ ارب سال پرانے جاندار ہیں۔" آرش صرف زبانی ہی اس کی معلومات میں اضافہ نہیں کر رہا تھا بلکہ ان کو اس کے سامنے حرکت کرتے دکھا رہا تھا۔ اس نے پھپھوندی لگے تنے، گھاس، پودے دکھائے جنہیں وہ کھاتی جا رہی تھی، ختم کر رہی تھی۔

ہنی فنگس پھوپھندی کی سب سے بڑے حجم کی قسم۔

وہاں اس کے اوپر پچانوے لاکھ سال پرانے میگنولیہ کی گلاب رنگ چھایا تھی۔ یہ

درخت زمین پر اگنے والے چند پہلے پھولدار درختوں میں سے ایک تھا۔ اور اسے احساس ہوا اس کے گھر کے قریب لگا میگنولیہ کا درخت اس سے ملتا جلتا تھا۔ پھر اس نے کیلیفورنیا کے سفید پہاڑ پر پانچ ہزار سال پرانا برسٹل کان پائن دیکھا وہیں کیلیفورنیا میں اسے دنیا کا سب سے لمبا درخت ہائیپر یون ۱۱۶ میٹر بلند نظر آیا تھا۔

پھر آرش نے اسے لاوا اگلتے آتش فشاں دکھائے۔ صحرا دکھائے جہاں گرم ہوائیں ٹیلوں کو تشکیل دیتی تھیں۔

پھر وہ اسے جانے کس دنیا میں لے آیا تھا جہاں صرف نشان تھے، استخوان تھے۔ ڈائنا سارس کے ڈھانچے ۶۷۰۰ لاکھ سال پہلے جانے کس ناگہانی افتاد میں زمین تلے دفن ہوئے ہوں گے وہ۔ ایک قدیم جل اور تھل دونوں جگہ رہنے والے جانور کے پاؤں کے نشان لاکھوں سال پہلے منجمد ہوئے تھے شاید، امبر کے درخت سے نکلا سنہرا نارنجی مادہ جس میں پھنس کر پورے پورے جانور حنوط ہو گئے تھے، ڈائنا سارس کے بڑے بڑے تیز دھار دانت، لاکھوں سال پرانی ڈائنا سارس کی ہڈیاں۔۔۔" ان کو کتنا وقت گزرا ہے اس کا اندازہ ہڈیوں میں موجود گروتھ رنگز سے لگایا جاتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتے ہیں۔

پھر وہ عجب سحر کر دینے والی جگہ تھی جہاں اونٹ، ریچھ، گدھ شیر بارا سنگھا گیدڑ لگڑ بھگے اور گینڈے پھر رہے تھے۔

اس سب کے بعد وہ دونوں جنوب مشرقی ایشیا کے جنگلوں میں آئے تھے جہاں Rain Forest (گھنے جنگلات جہاں کثرت سے بارشیں ہوتی ہیں) Mangrove

Forest (ساحلی جنگلات) اور Coral Reef (مرجان اور مونگے کی چٹانوں کا ایک سبز عالم آباد ہے۔

"شش غور سے سنو جنگل کی آواز۔۔۔" آرش نے اسے مکمل ساکت ہونے کا اشارہ کیا۔وہ مبہوت سی ہو گئی۔جنگل میں جانوروں اور پرندوں کی آوازوں کا دل موہ لینے والا ترنم پھیلا تھا۔ان میں سب سے زیادہ شور بورنین برسٹل ہیڈ ( Bornean Bristlehead) کا تھا یہ پرندہ ساتھی پرندوں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے ،گروہ میں رہتا ہے،جنگلوں میں پھرتا ہے ریپٹائلز (ریڑھدار جانور) ایمفیبین (جل تھل دونوں جگہ رہنے والے جانور) اور کیڑے کھاتا ہے۔

"جانتی ہو یہاں کچھ جانور ایسے ہیں جو ساری زندگی درختوں پر گزار دیتے ہیں اور زمین پر آتے ہی نہیں۔" اتنے میں رائنو سیروس ہارن بل سیاہ اور لمبی چونچ والا ایک پرندہ اس کے سامنے تنے پر چڑھتی گلہری پکڑ کر کھا گیا تھا۔اسی دوران پیراشوٹ مینڈک گلائڈ کرتا ہوا ایک درخت سے درخت تک ترنم میں سفر کرنے لگا۔

"وہ دیکھو سامنے وہ خوبصورت پرندہ اس نے نظر اٹھائی یہ ریڈ نیپڈ ٹروگون ( Red Napped Trogon) ہے۔ یہ اپنی کمزور ٹانگوں کی وجہ سے زمین پر نہیں چل سکتا صرف درخت کی شاخوں پر چلتا ہے۔"

وہاں گرم، نم نم فضا میں چلتے ہوئے جہاں پاں اچانک کیچڑ میں دھنس جاتے تھے، درختوں کے پتوں کا لمس اس کو مہکا رہا تھا اس کے گرد ایک خوبصورت تتلی منڈلانے لگی ،گولیتھ برڈ ونگ (Golioth Bird Wing) دنیا کی دوسری بڑی تتلی۔اس کی

آنکھوں میں نرمیاں بھرنے لگیں۔

وہاں اس نے دیکھا ایک بڑا سا پھل شاخ پر نہیں درخت پر براہ راست اگا ہوا تھا

،اس نے سونگھا بے حد خوشبودار اور خوبصورت رنگ کا۔

"یہ جیک فروٹ ہے۔۔۔اڑتی لومڑیوں کی خوراک۔"

"اڑتی لومڑیاں؟ "وہ اچھنبے کا شکار ہوئی۔

"یہاں پائے جانے والی ایک خاص قسم کی چمگادڑوں کا نام ہے فلائنگ فوکسِز۔یہ پھل کھاتی ہیں اور لمبی زبان سے پھول۔

" دریان (Durian Fruit ) بھی اپنی خوشبو سے جانوروں کو اٹریکٹ کرتا ہے۔اس کے کانٹوں والی چھال جب یہ پک کے نیچے گرتا ہے ٹوٹ جاتی ہے اور بیجوں کے گرد موٹی تہہ ہوتی ہے۔"اس نے اسے ایک اور پھل دکھاتے ہوئے کہا۔

"رین فاریسٹ اور مینگرووفاریسٹ کے درمیان کوئی نو اینیمل لینڈ نہیں ہے یعنی کچھ جانور ایسے ہیں جو دونوں طرح کے علاقوں میں رہ سکتے ہیں۔"

وہاں اسے نیچے بہت قریب سیاہ عقاب اڑتا نظر آیا۔

"یہ لگتا ہے شکار کی تلاش میں ہے۔"اس وقت آرش نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ چمگادڑ، چوہے، گلہریاں، چھوٹے ریپٹائلز، کیڑے، پرندے انڈے سب کھا جاتے ہیں دونوں طرح کے جنگلوں میں آہستہ آہستہ حرکت کرتے اپنی شکار پر نظر رکھتے۔"

یکدم ایک نیلی تکونی تتلی نمودار ہوئی اس سے پہلے کہ وہ سارا کے چہرے سے آ ٹکراتی اس نے کسی ماہر پائلٹ کی طرح اچانک اپنی سمت تبدیل کی تھی۔سارا جوڈر کے پیچھے

ہٹی تھی حیران سی مسکرائی۔

نیلے حلق والے سکنک (Skinik) درختوں کے قدموں میں گلتے پتوں میں رہتا ہے اچانک متوقع خطرے کے پیشِ نظر درخت کے تنے پر چڑھا تھا۔ بھورے مینڈک نے پانی کی سطح پر انڈے دے رکھے تھے، جب بچے باہر نکلتے وہ پانی میں گر جاتے تھے۔ ایک مالائی تاپر (Malayan Tapir) زمین پر گرے پتے سونگھتا درختوں کی شاخیں کھاتا گزرا۔ سامنے ایک سنہرا ریشمی دائرے بننے والا مکڑا پودوں کے نیچے جال بننے میں مصروف تھا۔

"اس جال میں اکثر چھوٹے پرندے آکر پھنس جاتے ہیں اگرچہ یہ انہیں کھا نہیں سکتا۔"

وہاں اس نے کیڑوں، جونک اور دیمک کی، جگنوؤں کی سبزے میں بسی دنیا دیکھیکن کھجورے، گھونگھے جن کے خول پر قدرت کی خوبصورت کاریگری آنکھ نم کرتی تھی، پھپھوندی جس پر پاؤں رکھ کر بلاوجہ پھسل جانے کو جی چاہے۔ درختوں کی چھال کو قریب سے دیکھا، ان کی جڑیں وہ زندگی کو صحیح معنوں میں اپنے اندر بہتا محسوس کر رہی تھی۔

وہاں جڑوں میں ایک بڑا جامنی پھول تھا۔

پھر ان کا گزر جنگل میں بہتی نیلگوں ندی کے پاس سے ہوا جس کی شفاف سطح مرجان اور مونگے کے سبز رنگ منعکس کر رہا تھا۔ اس نے اس سے پہلے اتنی خوبصورت ندی کبھی نہیں دیکھی تھی جس میں سیاہ مچھلیاں تیرتی تھیں۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ میں یہیں اس جنگل میں گلتے پتوں میں پھرتی کوئی جونک ہوتی یا اس ندی میں تیرتی سیاہ مچھلی جسے کبھی کوئی نہ جانتا نہ پہچانتا مگر میں ہوں اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کے نور کے ساتھ۔ الحمدللہ میں ہوں۔۔۔ میں ہوں۔ کائنات کی معزز مخلوق۔"

آرش نے اسے مختلف قسم کے بیجوں کی پولینیشن دکھائی جنگل کا سارا پس منظر دھندلا کر کے۔ وہ مبہوت سی ہو گئی تھی۔ بیج کی ساخت، ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پرندوں، جانوروں کے ذریعے منتقل ہونا یا اپنے پنکھوں سے اڑنا۔

"خدا نے زندگی کو کتنے خوبصورت روپ دیے ہیں۔۔۔ ہیں نا آرش۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

اس نے اسے رین فاریسٹ میں اگے بمبو یعنی بانس دکھائے۔

"ان سے سوت بنایا جاتا ہے اور پھر کپڑا بُنا جاتا ہے۔ اس پودے کے ۱۵۰۰ انسانوں کی دنیا میں استعمالات ہیں۔

یہاں کچھ درختوں سے مختلف قسم کی ادویات تیار کی جاتی ہیں بھارتی سانپ جیسی جڑوں والا درخت (Snake Root) سانپ اور کیڑوں کے کاٹے کے علاج کے طور پر استعمال ہوتا ہے، توالنگ (Tualung) میں بڑی بڑی مدھو مکھیاں شہد بناتی ہیں۔ اس کی شاخوں کے اندر سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اس کی چھال سے بخار کا علاج کیا جاتا ہے۔

"اس نے درخت پر ایک بڑے حجم کا شہد کی مکھیوں کا چھتہ دکھاتے ہوئے اس سے کہا۔

"اور یہ پھپھوندی۔" اس نے درخت پر لگی پھپھوندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

کہا۔

"درخت کے اندر ایسا مادہ پیدا کرتی ہے کہ پھر اسے خوشبو کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور ایسی لکڑی کو عود الھندی (Agar Wood) کہتے ہیں۔"

"کچھ دوسروں پر نر بھر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو نقصان نہیں پہنچاتے جیسا کہ کوزہ برگ پودا (Pitcher Plant) جس درخت کے سہارے اگتا ہے اس کے لیے نقصان دہ نہیں لیکن یہ بات ہیبت ناک ہے کہ یہ پودا خوراک کے طور پر کیڑے کھاتا ہے۔ اشنھ / ثعلب مصری (Orchids) دوسرے پودوں پر زندہ رہتے ہیں مگر انہیں نقصان نہیں پہنچاتے۔رین فاریسٹ میں ان کی ہزاروں اقسام ہیں جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کو نگل کر ہی خود زندہ رہ سکتے ہیں۔جیسا کہ سٹرینگلر درخت(Strangler Fig) میزبان درخت کے گرد شکنجہ کستا ہے اور اس کو کھا جاتا ہے یہاں تک زمین ہر صرف سوراخ باقی رہ جاتا ہے۔

اور یہ دیکھو سورج کو ڈھونڈتے پودے (Sun Seekers)۔کچھ پودے جو قد آور نہیں ہوتے وہ سورج کی حدت پانے کے لیے دوسرے درختوں پر ڈیرا جما لیتے ہیں،وہ میزبان درخت کو مکمل اپنی اوٹ میں لے لیتے ہیں اور سورج کی ساری روشنی سے خود سیر ہوتے ہیں۔"

وہاں اس نے دیکھا درختوں سے گرتے پتے قالین بچھائے ہوئے تھے۔یہی گلتے پتے کیڑوں اور خوردبینی جانوروں، کینچوؤں اور چھوٹے جانوروں کی پناہ گاہ اور خوراک تھے۔

چاندی رنگ بندر(Gibbons) اپنے لمبے بازوؤں، ٹانگوں اور انگلیوں کی مدد سے

درخت در درخت رقص کرتے نظر آ رہے تھے۔یہ پھل، پتے اور کیڑے کھاتے ہیں۔آرش اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

"دنیا کی سب سے بڑی مدھو مکھی یہیں پائی جاتی ہے جس کے چھتے میں ٦٠٠٠٠ مکھیاں رہائش رکھتی ہیں۔"

"وہ دیکھو نیلے تاج والا طوطا۔"آرش نے اس کی توجہ دائیں طرف ایک درخت کی شاخ پر الٹا لٹکے طوطے کی طرف مبذول کروائی جو غور سے دیکھنے پر ہی نظر آتا تھا یوں سبزے کے ساتھ کیمو فلاج ہوا ہوا تھا۔

"یہ یوں سو بھی جاتا ہے۔"

وہاں جنگل کی ہریالی سنگ پھولوں کی تیز خوشبو اور بدبو دونوں عجب امتزاج کے ساتھ پھیلی تھیں جس میں ہارس فیلڈ ایریا(Horsefield Irya)کی خوشبو نمایاں تھی۔

"نارنجی رنگ کا ریفلسیا(Rafflesia)کا پھول دنیا کا سب سے بڑا پھول ہے۔اس کی بو گلتے گوشت کی سی تھی جس کے سامنے کیڑے مزاحمت نہیں کر پا رہے تھے اور ڈیورین کا پھل کھانے اور دیکھنے میں مزیدار تھا مگر بدبو ناقابل برداشت،

پلومیریا پوڈیکا (Plumeria Podica) کے سفید، زرد پھولوں پر پروانے منڈلا رہے تھے، پارکیا سپیکیوسا کی تیز خوشبو چمگادڑوں کو مدہوش کرتی تھی۔

"یہاں کا گرم، نم اور دھوپ والا موسم کیلوں اور ادرک کے لیے مناسب ترین ہے۔آرش اسے بتا رہا تھا۔

کیلے جو تم لوگ کھاتے ہو ان کی اصل جائے پیدائش یہیں ہے۔یہاں اگی مرچیں

نظام ہضم کے لیے بہترین ہے۔" اس نے مزے سے ایک ہری مرچ توڑ کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"لیکن انسانوں کے لیے۔" پھر منہ بنایا۔

وہاں اس نے کوکو کا درخت دیکھا جس کا دیوانہ ایک عالم ۔جس کے پھل سے چاکلیٹ تیار کی جاتی ہے۔

۱۵ فیصد رین فاریسٹ اور باقی شمالی امریکہ سے اس کا پھل حاصل کیا جاتا ہے۔

اس نے کافی کے پودے بھی وہیں دیکھے، پام کے درخت۔

وہ آگے ایک اور ندی کی طرف آئے تھے۔کم گہرائی والے پانی میں چھوٹی مچھلیاں، رے مچھلی اور چھوٹی شارکس تھیں۔ مرجان و مونگے سمندری خول، اور ریت سے نیچے زمین وجود میں آئی تھی ۔اس نے دیکھا ایک نیلے ربن جیسی دم والی رے مچھلی شکار سے محفوظ رکھنے کے لیے خود کو ریت میں دھنسا کے چھپی ہوئی تھی۔

"ایویں چھپی ہوئی ہے حالانکہ اس کی دم پر زہریلے کانٹے ہوتے ہیں۔" آرش مزاحیہ انداز میں بولا۔

"یہ بے حد حساس ہوتی ہے شکار سے پیدا ہونے والی الیکٹریکل فیلڈ سے یہ ان تک پہنچ جاتی ہیں۔"

"ہنہ۔"

وہاں ہنی کومب رے سفید سیاہ دھبوں والی اور عقابی رے بھی تھیں اچانک ان میں سے ایک پانی سے باہر نکل کر آسمان کی طرف اٹھی تھی۔ اس کے جسم سے گرتا والا پانی

ستاروں کی طرح دمک اٹھا تھا۔

وہاں مینگرو و درخت پانی میں ایستادہ تھے، ان درختوں کی جڑیں جن میں مچھلیاں شکار سے بچنے کے لیے پناہ لیتی تھیں۔اسی اثناء میں بینڈڈ آرچر مچھلی نے پانی میں ہی تیز رفتار تھوک اپنے شکار پر پھینکی شکار فوراً اگرا تھا۔

نمکیات کی مقدار کا اوپر نیچے ہونا یہاں کی آبی مخلوق کے لیے چیلنج ہے مگر یہ مچھلیاں اپنے آُپ کو اس طرح ڈھال چکی ہیں کہ نمکین اور تازہ دونوں پانیوں میں رہ لیتی ہے اور کیڑے شرمپز اور پودے سب کچھ کھا لیتی ہے۔انسان کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔" یہ پہلی نصیحت تھی جو آرش نے اسے کی تھی۔

رین فاریسٹ کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں نمکین پانی، تازہ پانی اور زمین ملتی ہے اس ماحولیاتی نظام کی بنیاد ساحلی جنگل کے چمرنگ شجر ہیں۔ وہاں اس نے مچھلیاں، کیکڑے اور مگرمچھ رینگتے دیکھے۔

بٹورائڈز درختوں کی شاخوں میں بے حرکت بیٹھتے تھے۔

"یہ چھوٹی مچھلیاں، کیکڑے، چھپکلیاں اور میملز پر اچانک

اپنی چونچ سے حملہ کرتے ہیں کرتے ہیں اور شکار اپنا سا منہ لیکر مر جاتا ہے۔"آرش کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور اسے ساحلی درختوں کی مختلف قسم کی جڑیں دکھانے لگا۔

پھر وہ اسے بتائے بنا پانی کی گہرائیوں میں لے آیا تھا۔وہ اپنی آنکھوں سے پانی کے نیچے کا گہرا نیلا جہان دیکھ رہی تھی۔پانی کے سانس کی آواز سن رہی تھی۔اس کے ارد گرد سفید موتی رنگ کی جیلی فش تیر رہی تھیں۔کچھ مچھلیاں پتھر کی طرح محسوس ہوتی تھیں

شکاری مچھلیوں کو ان کے ہونے کا احساس ہی نہیں ہو پاتا تھا اور کچھ کمال کی اداکاری کرتی پاس سے گزرتے مچھلیوں کے گروہ میں شامل ہو جاتیں اور شکار سے بچ جاتیں۔لانگ ہارن کاؤفش (Long Horn Cow Fish)، صندوق البحر(Cube Boxfish) کے عجیب سی شکل اور سکن پیٹرن تھے کہ شکار کو لگتا کہ اسے نگلنا مشکل ہو گا یا زہریلی ہوں گی کاش انسانوں کے پاس بھی ایسی کوئی سکن پیٹرن ہوتا۔پھر اس نے ستارا مچھلیاں اور سی ارچن دیکھے۔اس نے دھیرے سے ستارا مچھلی کو اپنی دو انگلیوں سے چھوا پھر سی ارچن کو ایک انگلی سے نرمی سے۔

پھر وہ اسے چھوٹی چھوٹی دنیاوں میں سیر کرواتا رہا۔پرندوں کی دنیا جہاں پرندے دھیرے دھیرے ریڑھ دار جانوروں سے ارتقائی عمل کے ذریعے نمو پا رہے تھے۔

سانپوں کی دنیا میں اس نے شوکاری(Schokari) جسے عرب میں ابو السیور کہا جاتا ہے۔ ریت میں رینگنے والا تیز ترین سانپ دیکھا جو سولہ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کرتا تھا۔نقلی کوبرا ساری حرکتیں کوبرے والی کرتا تھا۔اپنی حفاظت میں سر لہرانا،کوبرے کی طرح پھنکارنا.

”مگر یہ اس کے قریب کا بھی نہیں ہوتا آرش نے اسے بتایا تھا اور بہت کم زہریلا ہوتا ہے، عربی ہارن وائپر (Arabian Horned Viper) ایک تیز اور زہریلا سانپ پتھروں اور ریت پر حرکت کرتا ہوا گزرا پھر اس نے عربی سینڈ بوا( Arabian Sand Boa) کو دیکھا وہ چھوٹے ریپٹائلز کو نگل جاتا تھا اپنے سے زیادہ حجم کو بھی۔جیسا کہ Gecko(چھپکلی نما جانور) کو۔

اور گیکو کیا تھا۔۔۔کون تھا وہ اپنی پرانی کھال کھا جاتا تھا، گیکو چہچہاتا تھا، بھونکتا تھا، غراتا تھا، ٹک ٹک کرتا تھا رابطہ کرنے کے لیے۔ پھر ستارے کی ناک والا مول جو گیلی مٹی کھودتا اور پانی میں تیرتا تھا۔

کینگرو، زرافوں، چمپینزی مچھلیاں کی دنیا۔

اور پھر آخر میں واپسی سے ذرا پہلے وہ اسے وہ اسے خلاؤں میں کہیں اٹھا لایا تھا۔ اب زندگی کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں جو تمہیں دکھانا چاہتا تھا اس کے آخری مراحل میں داخل ہیں۔ وہاں ایک قد آدم آئینہ تھا جس کے سامنے آتے ہی وہ ڈر کے پیچھے ہٹی تھی کیونکہ آئینے میں جو عکس تھا اس میں اس کے ہاتھ سارے جسم سے بڑے تھے، پھر زبان اور ہونٹ جو کہ چہرے سے بڑے تھے اور باقی جسم نارمل حجم کا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ چیخی۔

"گھبراؤ نہیں تمہارا دماغ اتمہارے جسم کو اسی طرح دیکھتا ہے۔ جس چیز کو دماغ سب سے زیادہ کام کرنے کے پیغامات دیتا ہے، جس سے سب سے زیادہ رابطے میں رہتا ہے وہ اس کو اس حجم میں دیکھتا ہے۔ تم روح کے بارے میں جاننا چاہتی ہو نا سارا مگر دیکھو ہمارا جسم کیا ہے ہم تو اس بارے میں بھی ٹھیک سے نہیں جانتے۔ کتنے راز چھپے ہیں ظاہر میں بھی۔ اپنی زبان پر غور کرو آئینے میں اس میں ذائقہ معلوم کرنے کے لیے ۱۰۰۰۰ ٹیسٹ بڈز موجود ہیں۔ ہمارا جسم ایک ردھم پر چلتا ہے اس روشنی سے جو آنکھیں وصول کرتی ہیں۔ اور یہ ردھم ہماری نیند بھوک درجہ حرارت تخلیقی صلاحیت اور ذہانت کو کنٹرول کرتا ہے۔"

"اس نے اس کا ہاتھ تھام کر ایک گرم گول گھومتی پلیٹ پر رکھ دیا اور دوسرا ہاتھ ایک ٹھنڈی پلیٹ پر۔ پھر دونوں ہاتھ ایک ہلکی گرم پلیٹ پر رکھے وہ طے نہیں کر پائی کہ کونسا ہاتھ ٹھنڈا ہے کونسا گرم۔ ایک ہی وقت میں ٹھنڈے گرم سے مت جونجو۔ انسان کو سب کچھ نہیں مل سکتا۔۔۔ انسان ہر چیز پر بیک وقت قابو نہیں پا سکتا، کچھ نہ کچھ لازمی چھوٹے گا اس میں ہی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔" وہ کچھ بولی نہیں تھی۔

آرش نے اسے چند سال پہلے کی لاشوں کے اصل استخوان دکھائے تھے۔ ایک عورت کا اور ایک چند مہینے کے بچے کا وہ کتنی دیر گم صم انہیں دیکھتی رہی کہ اسے بھی اس منزل سے گزرنا تھا۔

اس نے اسی آئینے میں جسم کے اندر بیکٹیریا اور جسم میں موجود مدافعاتی خلیوں کی جنگ دکھائی۔

"یہ سب کیا ہے آرش؟"

"یہ زندگی ہے۔ زندگی ایک جنگ ہے خود سے اور ماحول سے اور لوگوں سے سروائیول کے لیے۔ اس سے کچھ زیادہ نہیں اور کچھ کم نہیں۔"

"اور محبت۔۔۔"

"وہ کشش ثقل، مقناطیسی اور برقی قوت کی طرح ایک قوت ہے جس سے انسانی زندگی کا نظام چلتا ہے اور شاید کشش ثقل، مقناطیسی اور برقی قوت سب محبت ہی ہیں۔"

"آرش یہ سب تو آئینہ عالم تھا، زندگی کو کنٹین کرنے والے تھے سب۔۔۔ مجھے تو انسان و شجر میں دوڑتی برقِ زندگی دیکھنی تھی، محسوس کرنی تھی اور۔۔۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ برق زندگی کیا ہے۔"

" قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ اس کی پر جلال آواز سنائی دی۔

) کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔(

"پھر مجھے زندگی پھونکنے والے کو دیکھنا ہے۔۔۔" وہ اداس اور ضدی لہجے میں بولی۔

"اس کے لیے تمہیں مرنا ہوگا۔۔۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"کیا تم ٹھیک دوپہر میں سورج دیکھنے میں کوئی دقت اور پریشانی محسوس کرتی ہو جب کوئی بادل نہ ہو؟"

محمد ﷺ کا صحابہ سے پوچھا سوال اس نے سارا سے پوچھا تھا۔

"نہیں جواب حسبِ توقع آیا تھا۔"

"کیا تم چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی رکاوٹ محسوس کرتی ہو جب کوئی بادل نہ ہو؟"

"نہیں۔" اس بار بھی حسبِ توقع جواب آیا تھا صحابہ کے جواب جیسا۔

"جس طرح تم سورج اور چاند دیکھتی ہو اسی طرح اسے بھی اپنے سامنے دیکھو گی اور جب وہ اپنے مکھ سے حجاب ہٹا دے گا تو پھر کسی اور چیز کی طلب باقی نہیں رہے گی۔"

"میں تو اس آئینہ عالم میں کچھ بھی نہیں ہوں، کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔۔۔" وہ اب زمین کی طرف محوِ پرواز تھے۔

"جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔۔۔ اس کے اپنے سیارے ہیں جو اس کے گرد گردش کرتے ہیں اس کی اپنی کائنات ہے۔" دور سے آرش کی آواز خلا میں پھیلی تھی۔

وہ کھڑکی سے اندر اپنے کمرے میں داخل ہوئی آرش شاہ بلوط کے گھنے پتوں میں غائب ہو چکا تھا اور وہ جانتی تھی اگلے تین چار دن اس سے ملاقات نہیں ہونے والی اب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆